سائرہ مہدی
ریسرچ اسکالر
شعبۂ اسلامی تاریخ، جامعہ کراچی

سرسیّداور تعلیمِ نسواں

ABSTRACT

Sir Syed Ahmad Khan and female education

By Saira Mehdi, Research scholar, Department of Islamic History, University of Karachi.

Though Sir Syed Ahmed Khan was working hard to promote education in the sub-continent, he was not much in favour of girl's education. This article discusses the reasons behind Sir Syed's stance on the issue and explains social, religious and cultural background which had created a general opposition and dislike for female education in British India's orthodox society.

انیسویں صدی میں جب مغربی دنیا علوم وفنون اور تجارت کے میدانوں میں ترقی کر رہی تھی، اس وقت مسلمان آپس کے تعصّبات اور اختلافات کا شکار تھے۔ اس دوران بہت سے مسلمان ممالک مغربی طاقتوں کے زیر اثر آ گئے تھے۔ ایسے میں مفکرین نے مسلمانوں کو محکومیت سے نکالنے کی کوششیں کیں جن میں مدحت پاشا (ترکی)، مصطفی کامل (مصر)، خیرالدین پاشا (تیونس)، سیّد جمال الدین افغانی (افغانستان)، امام محمد بن علی سنوسی (طرابلس) اور سرسیّد احمد خان (برصغیر) قابلِ ذکر ہیں۔ اس مقالے کا مقصد برصغیر میں سرسیّد احمد خان کی مسلمانوں کی تعلیم کے لیے بالعموم اور تعلیم نسواں کے لیے بالخصوص کاوشوں کا تجزیہ کرنا ہے۔

تعلیم کی اہمیت

تعلیم قوموں کی ترقی کے لیے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ تعلیم ہی کی بدولت قومیں اپنی ثقافت آنے والی نسلوں کو منتقل کرتی ہیں۔ قومی ترقی کے لیے معاشی استحکام کلیدی حیثیت کا حامل ہے۔ کیونکہ تعلیمی نظام معاشی اور سیاسی حالات سے منسلک ہوتا ہے۔ جب معاشرہ ترقی پانے لگتا ہے تو نئے تعلیمی ادارے اور ہنر مند افراد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسا کہ برطانیہ میں صنعتی انقلاب کے بعد نئے پبلک اسکول وجود میں آئے۔ امریکہ میں خانہ جنگی کے بعد آزاد تعلیم کا دور شروع ہوا۔ جاپان میں میجی ریفارمیشن کے زیر اثر نیا تعلیمی نظام

ابھرا۔ اور برصغیر میں برطانوی تسلط کے بعد میکالوی تعلیم کا آغاز ہوا۔[۱]

برصغیر کا نظام تعلیم

برصغیر میں مسلمان طبقے میں تعلیم حاصل کرنے کے تین طریقے رائج تھے جن میں مساجد، مدارس اور گھروں پر تعلیم دی جاتی تھی۔ ابتدائی تعلیم کا ذریعہ گھر تھے۔ بنیادی حیثیت دینی تعلیم کو حاصل تھی اس کے ساتھ کتابت، خطاطی، فنون سپہ گری، فن تعمیر، فن کوزہ گری کی تعلیم کا بھی رواج تھا۔[۲]

برصغیر میں مسلمان حکمران فیروز شاہ تغلق (۱۳۵۱ء۔۱۳۸۸ء) سے اورنگزیب عالمگیر (۱۶۵۸ء۔ ۱۷۰۷ء) کے دور تک تعلیم کو فروغ دینے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی گئی ایسے ملک میں جہاں تعلیم صرف پنڈتوں کے لیے تھی۔ شودر کے کان میں اگر مذہبی کتب کے الفاظ پڑ جاتے تو سزا کے طور پر ان کے کان میں گرم سیسہ ڈال دیا جاتا تھا جبکہ مسلمانوں نے تعلیم کو سب کے لیے عام کیا۔ مسلمان حکمرانوں کو زمانے کے بدلتے ہوئے تقاضوں کا بھی احساس تھا۔ اس کا اندازہ اورنگزیب عالمگیر کی اس بات سے ہوتا ہے جو اپنے استادِ محترم کو کہی کہ:

> قوموں کے آداب واطوار، طریق جنگ، قوموں کے عروج وزوال کے اسباب اور جو تبدیلیاں دنیا میں ہو رہی ہیں، ان کا علم مجھے ہونا چاہیے تھا۔[۳]

مسلمانوں کے دورِ حکومت میں تعلیم کا فروغ حکومت کی ذمہ داری تھی۔ فیروز شاہ تغلق کے بجٹ میں ۱۳۶ لاکھ تنکہ جو روپے کے برابر تھا تعلیمی وظائف کے لیے تھا۔ اسی طرح اورنگزیب نے لاتعداد اسکول اور کالج قائم کیے۔ تعلیم عام ہونے کی وجہ سے کنیزیں بھی حافظہ اور عالمہ تھیں۔[۴]

سر تھامس منرو (۱۷۶۱ء۔ ۱۸۲۷ء) اس دور کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

> جنوبی ہند میں ہر پانچ سو آبادی میں ایک اسکول موجود ہے۔ آبادی میں ایک تہائی حصّہ (۳۳٪) کو اسکولوں کے ذریعے تعلیم ملتی ہے۔[۵]

تعلیمی اداروں کو حکومت سے مالی مدد ملتی تھی اور علماء اور اساتذہ کو انفرادی طور پر وظائف دیے جاتے تھے۔ تعلیم مفت تھی، غریب طلباء کو وظائف دیے جاتے تھے۔ پردے کی وجہ سے تربیت یافتہ معلمات کے ذریعے مسلمان لڑکیوں کو گھروں میں ہی تعلیم دی جاتی جس کے بدلے میں انھیں وظیفہ ملتا تھا لیکن یہ بھی ان خاندانوں کے حصے میں آئی جو معاشی طور پر مستحکم تھے۔[۶]

مغلوں کے زوال کے دوران بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا۔ شاہ ولی اللہ (۱۷۰۳ء۔ ۱۷۶۲ء) کا مدرسہ رحیمیہ تعلیم کا بڑا مرکز تھا۔ تعلیم نسواں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاتا تھا۔ مغلیہ خاندان کی متعدد خواتین علم کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھیں۔ ۱۸۲۵ء

میں لڑکوں کا دہلی کالج قائم ہوا جو آزادی کے ہنگاموں کی وجہ سے بند ہو گیا تھا اور جب دوبارہ کھلا تو نصاب، تعلیمی پالیسی اور ذریعہ تعلیم میں بار بار تبدیلیوں کے باعث لوگوں میں بے چینی کی فضا پیدا ہوگئی۔ اس کے باوجود اس کالج سے ڈپٹی نذیر احمد، مولوی محمد حسین آزاد، مولوی ذکاء اللہ اور ڈاکٹر ضیاء الدین جیسے نامور افراد فارغ التحصیل ہوئے۔(۷)

انگریزوں کا دور اور تعلیمی صورتحال

۱۸۵۷ء کے بعد برصغیر میں بذریعہ تعلیم انگریزوں نے بتدریج اپنی زبان، ادب اور ثقافت کو فروغ دیا۔ جس سے یہاں کا موجودہ نظام تعلیم کمزور پڑ گیا جس سے خواندگی کی شرح میں کمی واقع ہوئی اور اس سے مسلمان اور ہندو یکساں طور پر متاثر ہوئے۔(۸)

انگریزوں کو نظام حکومت اپنے طرز پر چلانے کے لیے تعلیم یافتہ عملہ درکار تھا، اس لیے انگریزوں نے تعلیم کا تعلق سرکاری ملازمت سے جوڑ دیا۔(۹) انگریزوں نے مختلف جگہوں پر اسکول اور کالج کھولے جن میں سنسکرت کالج اور فورٹ ولیم کالج مشہور تھے۔ چونکہ انگریز مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتے تھے اس لیے انگریزوں نے ہندوؤں کو یقین دلایا کہ ان کو حکومت کرنے کا موقع دیا جائے گا جس کی وجہ سے ہندوؤں نے انگریزوں کے اسکولوں اور کالجوں کو لبیک کہا۔ بحیثیت قوم ہندوؤں کا رویہ انگریزوں کے ساتھ تعاون اور اشتراک عمل کا تھا۔(۱۰) لہٰذا ایک ہندو مصلح راجا رام موہن رائے نے کلکتہ میں کالج قائم کیا۔(۱۱)

انگریزوں کی پالیسی یہ تھی کہ ہندوؤں کو اتنی مراعات دی جائیں کہ وہ جنگ آزادی میں اپنی شکست کو بھول جائیں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف کیا جائے۔ انگریزوں نے ہندو اکثریت کو ساتھ ملا کر اپنی حکومت مضبوط کی۔ مسلمان جو کہ اقلیت میں تھے اور صدیوں سے حکمران رہ چکے تھے ان کو ثقافتی، سیاسی اور معاشی طور پر پست کر کے اطاعت پر مجبور کیا گیا۔ ہر طرح سے کوشش کی گئی کہ ہندوؤں کو ترجیح دی جائے یہاں تک کہ اخبارات میں ملازمت کے اشتہارات میں صاف لکھ دیا جاتا تھا کہ ''سوائے ہندوؤں کے کسی اور کو ملازم نہ رکھا جائے۔''(۱۲) قاضیوں کے ملازمت سے فارغ ہونے نے ہزاروں خاندانوں کو بیکار کر دیا تھا اور مشرقی بنگال کے مسلمان خاندان جو کبھی محلوں میں رہتے تھے اب یہ حالت تھی کہ قرضوں کے بوجھ تلے دب گئے تھے۔ وکالت کے شعبے میں بھی جو ایک زمانے میں مسلمانوں کے ہاتھ میں تھا، ۱۸۶۸ء تک ۲۳۹ ہندو اور ایک مسلمان کا تناسب رہ گیا۔ اکاؤنٹس کے شعبے میں ہندو تعداد میں ۵۰ اور مسلمان صفر کا تناسب رہ گیا۔(۱۳)

شاہد حسین رزاقی اپنی کتاب سرسیّد اور اصلاح معاشرہ میں مسلمانوں کے زوال کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

> انگریزوں کی حکومت آنے کے بعد جب مسلمان جاگیر و منصب اور حکومتی عہدوں سے محروم ہو گئے تو معاشی طور پر ان کی حالت خراب ہوگئی۔ دولت مند گھرانے مفلس و محتاج ہو گئے۔(۱۴)

ملازمتوں میں پس ماندہ رہنے کی بڑی وجہ مسلمانوں کی تعلیم سے دوری تھی اور اس کی کئی وجوہات تھیں ان میں اقتصادی بدحالی، عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں، امراء کی غفلت، عربی اور فارسی سے رغبت، انگریزی اسکولوں میں مذہبی تعلیم نہ ہونا اور اسکولوں میں دیسی زبان کا نہ ہونا بھی شامل تھا۔ مسلمانوں نے مغربی تعلیم کا صرف اس لیے بائیکاٹ نہیں کیا کہ اس میں انگریزی تعلیم تھی ان کا اصل اعتراض یہ تھا کہ نئی تعلیم اپنے مزاج، مقاصد اور نصاب تعلیم کے اعتبار سے اسلام سے دور لے جانے والی تھی۔[۱۵] ان سب کے باعث عورتوں کی تعلیم پر اثر ہونا ایک فطری عمل تھا۔

۱۸۵۷ء کے بعد تعلیمِ نسواں

انگریزوں کی آمد سے پہلے عورتوں کی تعلیم کسی نہ کسی سطح پر جاری تھی مگر بعد میں بالکل ہی ختم ہوگئی۔ برصغیر میں انگریزوں کا اقتدار جب مضبوط ہوگیا تو انگریزوں نے کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں یونیورسٹیاں قائم کیں اس طرح انگریزی تعلیمی نظام کو مکمل نشوونما کا موقع ملا۔[۱۶]

جب انگریزوں نے اپنی پالیسی بدلی تو مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کی تعلیم کے لیے بھی اسکول کھولے جن میں ڈیوڈ ہیر نے کلکتہ، پروفیسر پٹسن نے بمبئی اور گجرات میں ورنا کیولر سوسائٹی نے اسکول کھولے۔ اس کے علاوہ میری کارپینٹر نے مدراس، احمد آباد، پونا، لکھنؤ اور بنگلور میں ٹریننگ اسکول اور کالج کھولے۔[۱۷]

لیکن ابھی تک جدید تعلیم پر توجہ نہیں دی گئی تھی۔ چوں کہ مغرب کے مقابلے میں برصغیر کی خواتین کا مذہب سے گہر تعلق تھا اس لیے ان کے لیے نئے رجحانات جلدی قبول کرنا آسان نہ تھا اور والدین اپنی لڑکیوں کو اسکولوں میں بھیجنے پر راضی نہ تھے۔ پٹنہ میں حکیم سیّد احمد حسین صوفی نے مشنری اسکولوں کے نتائج کے مدنظر رکھتے ہوئے لڑکیوں کی تعلیم کے لیے ایک مدرسہ قائم کیا اور نصاب تعلیم بھی مرتب کیا۔ جس کا معائنہ سرسیّد نے ۱۸۷۳ء میں قیام پٹنہ کے دوران کیا۔[۱۸] اس کے بعد عورتوں کی تعلیم کے حوالے سے بنگال میں سینٹرل محمڈن ایسوسی ایشن، بمبئی میں انجمن اسلام، لاہور میں حمایت اسلام اور یوپی میں سرسیّد احمد خان کی تحریکیں شروع ہوگئیں۔

اس پسِ منظر میں مسلمانوں کے سامنے دو راستے تھے یا تو وہ اس طبقے (کسان، دست کار اور محنت کش) میں شامل ہو جائیں اس طبقے نے انگریزوں کے خلاف جنگ آزادی میں حصہ لیا یا انگریزوں سے مفاہمت کر لیں۔ مسلمانوں کا بڑا گروہ معاشی جبر کی وجہ سے نچلے طبقے میں چلا گیا اور مشکل سے مشکل حالات میں بھی ماضی سے رشتہ نہ توڑا اور دوسرے طبقے نے اپنے وجود کو برقرار رکھنے کے لیے مفاہمت کے راستہ کا انتخاب کیا[۱۹] کیونکہ وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد ان میں انگریزوں سے لڑنے کی سکت نہ تھی اور اب ان کے سامنے ایک نہیں دو دشمن تھے۔ چنانچہ اپنی بقا کے لیے خود کو نئے نظام میں ڈھالنا ناگزیر ہوگیا۔ اس نئی تحریک کے علم بردار سرسیّد احمد خان تھے۔

سرسیّداور تعلیمِ نسواں

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کوجن مسائل کا سامنا تھا سرسیّد اس کے عینی شاہد تھے۔ اس صورتحال میں سرسید نے برصغیر کے مسلمانوں کی اصلاح کے کام کا آغاز کیا۔ ان کا نظریہ تھا کہ مسلمان قومی ترقی کے لیے حکومت پر انحصار نہ کریں اور نجی تعلیمی ادارے قائم کرنے کی طرف توجہ دیں۔ سرسید احمد خان کو آزادی کی جنگ کے بعد مسلمانوں کی معاشی اور سیاسی بدحالی کا ایک ہی سبب نظر آیا جو ان کی تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

> میں نے سوچا کہ قوم پر مصیبت کیوں پڑی ہے اور کیوں کر دور ہوسکتی ہے۔ اس کا جواب ملا کہ قوم میں تعلیم وتربیت نہ تھی۔ (۲۰)

تعلیم کے فروغ کے لیے سرسیّد احمد خان اور ان کے ہم خیال لوگوں نے جدوجہد کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں سرسیّد نے دوران ملازمت بنارس اور غازی پور میں اسکول قائم کیے۔ شروع میں تعلیم کے حوالے سے سرسیّد نے مادری زبان ہی میں تعلیم حاصل کرنا کامیابی کی ضمانت سمجھا لیکن بعد میں ان کو کہنا پڑا کہ:

> جوشخص علوم کی تحصیل کرنا چاہے وہ مجبور ہے کہ اس کو یورپ کی زبانوں میں سے کسی زبان کے ذریعے سے حاصل کرے۔ (۲۱)

سرسیّد کی نظر میں تعلیم سے مراد مغربی تعلیم تھی لہٰذا سرسیّد کا تعلیمی مشن ایسا ادارہ قائم کرنا تھا جو مسلمانوں کی ملّی اور قومی روایات کا تحفظ کرتے ہوئے انگریزی علوم سے بہرور کرے۔ (۲۲) اس سلسلے میں سرسیّد نے انگلستان کا سفر کیا۔ وہاں کے تعلیمی نظام اور یونیورسٹیوں کا جائزہ لیا اور وطن واپس آکر وہاں کی طرز کا ایم اے او کالج قائم کیا۔ بنیادی طور پر یہ کالج مسلمانوں کے لیے قائم کیا گیا تھا لیکن وہ بین المسالکی تھا شیعہ اور سنّی دونوں کی تعلیم کا انتظام تھا اور ہندو طلباء کی بھی معقول تعداد تھی۔ (۲۳) سرسیّد نے حتی الامکان کوشش کی کہ اس کالج میں مسلمانوں کی معاشرت، ثقافت اور قومی روایات کو برقرار رکھا جائے۔

سرسیّد احمد خان صرف مردوں ہی کے نہیں عورتوں کی تعلیم کے بھی حامی تھے۔ سرسیّد یہ سمجھتے تھے کہ اس وقت کے حالات کے پیش نظر پہلے مردوں کی تعلیم کی حقیقی بنیاد مضبوط کی جائے اس کے بعد خواتین کی تعلیم پر توجہ دی جائے۔ (۲۴) سرسیّد کے بارے میں لوگوں کا خیال تھا کہ وہ لڑکوں کی تعلیم کے حق میں ہیں اور عورتوں کی تعلیم معاشرے کے لیے اچھا نہیں سمجھتے۔ یہ خیال غالباً ان کی ۱۸۸۲ء کی تقریر سے اخذ کیا گیا ہے جس میں سرسیّد نے عورتوں کی تعلیم کے بارے میں کہا تھا کہ:

> گورنمنٹ عملاً کوئی تدبیر ایسی نہیں کرسکتی جس سے اشراف خاندان کے مسلمان اپنی بیٹیوں کو تعلیم کے واسطے گورنمنٹ اسکولوں میں بھیجنے پر مائل ہوں... میں مسلمانوں پر یہ الزام نہیں لگا سکتا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو ان اسکولوں میں نہیں بھیجتے... جن شخصوں کی یہ رائے ہے کہ مردوں کی تعلیم سے پہلے عورتوں کی تعلیم ہونی چاہیے، وہ غلطی پر ہیں۔

حقیقت میں مسلمان عورتوں کی پوری تعلیم اس وقت تک نہ ہوگی جب تک کہ اس قوم کے اکثر مرد پورے تعلیم یافتہ نہ ہو جائیں... اس وقت تک جو حالت مسلمان عورتوں کی ہے وہ میری رائے میں خانگی خوشی کے لیے کافی ہے۔(۲۵)

دراصل سرسیّد تعلیم نسواں کے حوالے سے چاہتے تھے کہ پہلے ہندوستان کی عورتوں کی اصلاح اور مذہبی عقائد ورسومات کو صحیح کیا جائے اس کے بعد ہی جدید تعلیم کا فائدہ ہوگا۔جس کسی نے عورتوں کی تعلیم کے حق میں کوئی بات کہی یا عملاً کام کیا، سرسیّد نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اور تعلیم نسواں کے حق میں بہتر جانا۔ اگر سرسیّد عورتوں کی تعلیم کے خلاف ہوتے تو لندن کے سفر کے دوران جہاز میں وہ میری کاربینٹر سے ملاقات کے بعد اپنے ان خیالات کا اظہار یوں نہ کرتے:

...میں خدا سے چاہتا ہوں کہ مس کاربینٹر کی کوششیں کامیاب ہوں اور ہندوستان میں کیا مرد اور کیا عورت سچائی اور علم کی روشنی، جو دونوں اصل میں ایک ہیں، روشن ضمیری حاصل کریں۔(۲۶)

سرسیّد انگلستان کے سفر کے دوران بھی تعلیم نسواں سے غافل نہیں تھے انھوں نے وہاں لڑکیوں کے اسکولوں کا مشاہدہ کیا جن میں لندن کالجیٹ برائے طالبات کے بارے میں مفصل معلومات جمع کر کے اپنے ہم وطنوں کو بھیجیں۔(۲۷) سرسیّد نے ہندوستان کے اس وقت کے حالات اور سرکاری طریقہ تعلیم اور جس ماحول میں ان کی عورتیں آئیں گی، ان کے لیے اچھا نہ جانا۔ بلکہ سرسیّد نے ہندوستان کے لوگوں کو خود اپنی لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام کرنے کو کہا۔تہذیب الاخلاق میں لندن سے ایک خط کے جواب میں وہ لکھتے ہیں کہ:

...ہندوستان کے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستان کی بیٹیوں کی تعلیم میں اگر گورنمنٹ کی اعانت نہ ہوگی تو کامیابی نہ ہوگی۔ یہاں کے لوگ سنتے ہیں تو کہتے ہیں کہ لوگ اپنی بھلائی وتہذیب بھی گورنمنٹ سے چاہتے ہیں۔ ہندوستان میں کون منع کرتا ہے کہ خود بلا مداخلت لڑکیوں کے پڑھانے کا انتظام کریں اور اپنے اپنے مذہب کے مطابق تعلیم دیں صرف ہمت، شوق اور ارادہ ہونا چاہیے۔(۲۸)

سرسیّد خود اپنے ایک خط میں جو انھوں نے سیّد ممتاز علی کو لکھا تھا، کہتے ہیں کہ:

میری آرزو ہے کہ عورتوں کو اعلیٰ تعلیم دی جائے مگر موجودہ حالت میں کنواری عورتوں کو تعلیم دینا ان پر سخت ظلم کرنا اور ان کی تمام زندگی کو رنج ومصیبت میں مبتلا کر دینا ہے۔ ...عورت کی تعلیم قبل مہذب ہونے مردوں کے لیے نہایت ناموزوں تو عورتوں کے لیے آفت بے درماں ہے۔(۲۹)

''حیاتِ جاوید'' میں خواجہ الطاف حسین حالی سرسیّد کے تعلیم نسواں پر توجہ نہ دینے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ چونکہ سرسیّد کو اپنی مصروفیات کی وجہ سے گھریلو زندگی سے علاحدہ رہنا پڑا تھا اس وجہ سے تعلیم نسواں کے لیے ان کے دل میں ہمدردی پیدا نہ ہوسکی اور پھر آگے چل کر خود ہی اس کا جواب دیتے نظر آتے ہیں کیونکہ سرسیّد کو اس حوالے سے دقتوں اور دشواریوں کا بخوبی اندازہ تھا اس لیے تعلیم نسواں کی طرف خاطر خواہ توجہ نہ کر سکے۔(۳۰)

سرسیّد کی ابتدائی تعلیم گھر میں ان کی والدہ کی زیرنگرانی ہوئی تھی اور جو اخلاق اور تہذیب کے نکتے سرسیّد کے دل میں بٹھائے تھے اس کی بدولت سرسیّد کبھی بھی عورتوں کے حقوق پر بات کرنے سے غافل نہ تھے۔

اس کی ایک جھلک ہمیں سرسیّد کی اس تقریر میں نظر آتی ہے جو انھوں نے ۱۸۸۴ء گورداسپور میں خواتین کے سامنے کی:

> اے میری بہنو! میں اپنی قوم کی خاتونوں کی تعلیم سے بے پروانہیں ہوں۔ میں دل سے ان کی ترقی تعلیم کا خواہاں ہوں۔ مجھ کو جہاں تک مخالفت ہے اس طریقۂ تعلیم سے ہے جس کے اختیار کرنے پر اس زمانے کے کوتاہ اندیش مائل ہیں۔ میں نصیحت کرتا ہوں کہ تم اپنا پرانا طریقۂ تعلیم اختیار کرنے کی کوشش کرو۔ وہی طریقہ تمھارے لیے دین و دنیا میں بھلائی کا پھل دے گا اور کانٹوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے گا۔ میں نے تمھارے لڑکوں کی تعلیم کے لیے جو کوشش کی ہے اس سے تم یہ نہ سمجھو کہ میں اپنی پیاری بیٹیوں کو بھول گیا ہوں۔ بلکہ میرا یقین ہے کہ لڑکوں کی تعلیم پر کوشش کرنا لڑکیوں کی تعلیم کی جڑ ہے۔ پس جو خدمت میں تمھارے لڑکوں کے لیے کرتا ہوں درحقیقت وہ لڑکوں اور لڑکیوں دونوں کے لیے ہے۔(۳۱)

سرسیّد سے متعلق ایک اور اعتراض یہ ہے کہ آپ انگلستان کی خواتین کے بارے میں تو ترقی پسند معلوم ہوتے ہیں اور ان کی تعلیمی قابلیت، شائستگی، سلیقہ، ہنرمندی کی تعریف کرتے ہیں۔ لندن میں جن کے گھر میں قیام رہا اس کی مالکہ اور نوکرانیوں تک کی تعریف کرتے ہیں۔ گویا سرسیّد کو مغرب کی عورت جدید تعلیم حاصل کرتے ہوئے اچھی معلوم ہوتی ہے اور وہ بار بار اپنے سفرنامے میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں:

> ...شاید اس بات کو سن کر ہمارے زمانے کے علما اور فلسفی اور منطقی ضرور شرم کریں گے کہ یہ تمام کارخانہ ایک عورت کے سپرد ہے اور جس قدر آلات کہ اب اس میں موجود ہیں اور جو جو عمل اس سے ہو سکتے ہیں وہ عورت کر کے دکھاتی ہے۔ میں دو دفعہ اس میں گیا اور اس عورت نے سب کام کر کے دکھایا۔ مجھ کو تو اپنی سفید داڑھی پر اس عورت

کے سامنے شرم آئی مگر افسوس ہے کہ ہمارے ہم وطنوں کو شرم بھی نہیں آتی...[۳۲]

جبکہ برصغیر کی خواتین کی تعلیم کے بارے میں ان کے خیالات مختلف تھے۔ شیخ عبداللہ کا سرسیّد کے بارے میں مشاہدہ تھا کہ سرسیّد تعلیم نسواں کے مدارس اور نئے انتظام کے اس لیے مخالف تھے کہ کہیں لڑکیاں آزاد نہ ہو جائیں دوسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ سرسیّد پر پرانے رسم و رواج کا اثر گہرا تھا اور وہ پردے کے بڑے حامی تھے۔ سرسیّد کو اندیشہ تھا کہ گھر سے باہر نکل کر تعلیم حاصل کرنے سے لڑکیاں پردہ چھوڑ دیں گی۔[۳۳]

اس سلسلے میں شیخ عبداللہ سرسیّد کے اس بیان کا حوالہ دیتے ہیں کہ:

> تم غور کرو کہ تمھارے خاندان میں مستورات کی تعلیم کا کیا قاعدہ تھا کہ ہماری قوم میں، ہماری رشتہ داری میں، ہمارے محلوں میں جو معزز اور با وقار گھر ہوتا تھا جس گھر کی مستورات عمدہ فضیلت، عمدہ اخلاق میں فائق ہوتی تھیں، اپنی قوم کی... لڑکیوں کی تعلیم کا انتظام اس کے سپرد ہوتا تھا ...شامتِ اعمال سے وہ سلسلہ درہم برہم ہوگیا۔ خاندان تباہ ہوگئے ...وہ مقتدر خواتین جو اس کام کو سرانجام دیتی تھیں دنیا سے اٹھ گئیں...[۳۴]

شیخ عبداللہ کا بیان سرسیّد کی فکر کی صحیح تشریح نہیں ہے۔ لاہور ۱۸۸۴ء میں ایک تقریر کے دوران سرسیّد نے اس بات کا افسوس کیا تھا کہ لوگ میرے مقصد اور مطلب کو نہیں سمجھے۔[۳۵] حقیقت میں سرسیّد رسم و رواج کے خلاف تھے اور ہمیشہ اس کے خلاف رہے۔

اپنی ایک تحریر میں سرسیّد کہتے ہیں کہ:

> دوسری قوموں کی رسومات کا اختیار کرنا اگرچہ بے تعصبی اور دانائی کی دلیل ہے مگر جب وہ رسمیں اندھے پن سے صرف تقلیداً اختیار کی جاتی ہیں تو کافی ثبوت نادانی اور حماقت کا ہوتی ہیں۔ طریقِ تمدن و معاشرت روز بروز ترقی پاتا جاتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ ہماری بھی رسمیں اور عادتیں وقت کے ساتھ ترقی کرتی جائیں اگر ہم اپنی پرانی رسموں کے پابند رہیں گے تو ترقی یافتہ قوموں کے مقابلے میں ذلیل و خوار ہوں گے۔[۳۶]

اور جہاں تک پردے کا تعلق ہے اس کے متعلق سرسیّد لکھتے ہیں کہ:

> ... ہم کو لوگ مگر نئے فیشن کا سمجھیں مگر ہم تو اگر اسی پرانے فیشن کے نہیں ہیں تو دقیانوسی مزاج کے تو ضرور ہیں اور اس لیے ہم اپنے مخدوموں کی رائے کے مخالف ہیں اور عورتوں کا پردہ جو مسلمانوں میں رائج ہے اس کو نہایت عمدہ سمجھتے ہیں ...یہ خیال کرنا

کہ پردے کی رسم اُٹھ جائے تو ہندوستانیوں کو انگریزوں سے زیادہ راہ و رسم اور ارتباط کا موقع ملے گا محض غلط خیال ہے۔ پہلے اپنے تئیں تو انگریزوں سے ملنے اور ارتباط پیدا کرنے کے قابل بنالو پھر عورتوں کی طرف متوجہ ہونا۔(۳۷)

عورتوں کی حالت کے بارے میں کہتے ہیں کہ ہندوستان میں مردوں کی حالت قابل اصلاح ہے تو عورتوں کی کیا حالت ہوگی۔ ہمارے یہاں کی عورتیں اپنے قدیم اطوار کی پابندی زندگی اور موت سے بھی زیادہ کرتی ہیں وہ علمی خیالات کے بجائے اعتقاد کی غلطی میں پڑی ہوئی ہیں۔ اور ان کو یقین ہے کہ پرانے رسم و رواج کی تبدیلی سے ان کے لیے مصیبت پیدا ہو جائے گی۔ بعض اوقات ہندوستان کے مرد بدلنا بھی اسے چاہیں تو نہیں بدل سکتے۔(۳۸)

تعلیمِ نسواں کے سلسلے میں سرسیّد اور ان کے بعد کے اقدامات

۱۸۸۶ء— سرسیّد احمد خان نے محمڈن اینگلو اورینٹل ایجوکیشن کانفرس کی بنیاد رکھی۔ اس کانفرس نے تعلیم نسواں کے لیے جو اقدامات کیے ان میں ۱۸۸۶ء مغربی تعلیم، ضروری سائنسی کتابوں کا ترجمہ اور آئندہ نسلوں کی ذہنی ترقی کے لیے عورتوں کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیا گیا۔

۱۸۸۸ء— اسلامی طریقوں کے مطابق لڑکیوں کے اسکول قائم کرنے پر زور دیا گیا۔

۱۸۹۱ء— اخلاقی، عملی اور مذہبی تعلیم کو عورتوں کے لیے لازمی قرار دیا گیا۔

۱۸۹۹ء— ہر صوبے کے مرکز میں وہاں کے رسم و رواج کے مطابق لڑکیوں کے اسکول کھولے جائیں گے۔

۱۹۰۰ء— مسلمان لڑکیوں کی معلومات میں اضافے کے لیے حساب، تاریخ، جغرافیہ اور طبیعیات کی تعلیم کے لیے آسان کتابیں تصنیف کی جائیں۔

۱۹۰۵ء— علی گڑھ کالج میں لڑکیوں کا اسکول قائم کر کے سرسیّد کی تعلیمی کوششوں کا سنگ بنیاد رکھ دیا۔ ۳۹

اس تجزیہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرسیّد نے اس زمانے کے نامساعد حالات میں نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں کی بھی تعلیم کے حوالے سے اقدامات کیے۔ ۱۹۰۵ء میں علی گڑھ کالج میں لڑکیوں کا اسکول کھلنا سرسیّد کی تعلیم نسواں کے حوالے سے کوششوں کا ہی نتیجہ تھا۔

حواشی

(۱) پروفیسر خورشید احمد، نظامِ تعلیم (اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ۱۹۹۳ء)، ص ۳۳
(لارڈ میکالے (۱۸۰۰ء۔ ۱۸۵۹ء)، ۱۸۳۴ء میں بحیثیت رکن برائے قانونی امور ہندوستان آئے ان کو یہاں کا نظامِ تعلیم

مرتب کرنے کا کام سونپا کیا۔ ۱۸۳۵ء میں میکالے ایکٹ کے تحت ہندوستانیوں کو ادب انگریزی میں پڑھایا جائے گا۔ وظائف اور تعلیمی امور کا تمام پیسا انگریزی تعلیم کے فروغ پر خرچ کیا جائے گا۔)

(جاپان میں ٹکواوا حکومت کو میجی رہنمانے (۱۸۶۸ء۔۱۹۱۲ء) ختم کیا اور ملک میں نئی اصلاحات کیں جس میں پرانے جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ کر کے مغربی تصورات اور جدید تجارت کو فروغ دیا گیا۔میجی رہنماؤں نے مرکزی تعلیمی نظام مرتب کیا)

(۲) ایضاً،ص ۷۰

(۳) شیخ محمد اکرام، رودِ کوثر (لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۰۵ء)،ص ۴۶۴، ۴۶۵

(۴) ایضاً،ص ۴۷

(۵) ایضاً،ص ۷۷

(۶) سیّد الطاف علی بریلوی، ایجوکیشنل کانفرنس کا کردار (کراچی: ایجوکیشنل پریس، ۱۹۸۶ء)،ص ۲۸

(۷) ایضاً،ص ۱۴

(۸) ایضاً،ص ۱۶

(۹) پروفیسر خورشید احمد،محولہ بالا،ص ۸۹

(۱۰) ایضاً،ص ۹۴

(۱۱) سیّد الطاف علی بریلوی،محولہ بالا،ص ۴۴

(راجا رام موہن رائے، ۱۷۷۲ء۔ ۱۸۳۳ء، برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور عربی زبان میں مہارت حاصل کی۔ قرآن کا بغور مطالعہ کیا۔ مذہبی اختلافات کی بنا پر کلکتہ چلے گئے اور کامیاب تجارت کا آغاز کیا۔۱۸۰۵ء۔ ۱۸۱۵ء ایسٹ انڈیا کی نوکری کی اس دوران کئی کتابیں لکھیں اور ستّی کی رسم کے خلاف آواز اٹھائی۔ انھوں نے ہر سماجی بے انصافی کی مخالفت کی خاص طور پر عورتوں کے حقوق سے متعلق، جدید تعلیم کی اہمیت پر زور دیا۔وہ مغربی دنیا کی نظر میں ہندوستان کی عظمت پیدا کرنا چاہتے تھے۔)

(۱۲) پروفیسر خورشید احمد،محولہ بالا،ص ۹۰

(۱۳) شیخ محمد اکرام، موجِ کوثر (لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۳ء)،ص ۷۵

(۱۴) قاضی جاوید، سرسیّد سے اقبال تک، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۴ء)،ص ۱۰

(۱۵) پروفیسر خورشید احمد،محولہ بالا،ص ۱۹۴

(۱۶) ایضاً،ص ۹۲

(۱۷) ثریا حسین، سرسیّد اور اُن کا عہد، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۳ء)،ص ۳۵۴، ۳۵۵

(۱۸) محمد امین زبیری، مسلم خواتین کی تعلیم (کراچی: ادارۂ تصنیف و تالیف، ۱۹۵۶ء)،ص ۹۰، ۹۳

(۱۹) قاضیجاوید،محولہ بالا،ص ۱۰

(۲۰) سیّد الطاف علی بریلوی،محولہ بالا،ص ۶۷

(۲۱) قاضی جاوید،محولہ بالا،ص ۱۳۰

(۲۲) سیّد الطاف علی بریلوی،محولہ بالا،ص ۱۶

(۲۳) پروفیسر عزیز احمد، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، (لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۶ء)،ص ۶۶

(۲۴) سیّد الطاف علی بریلوی، محولہ بالا، ص ۱۶۳

(۲۵) سیّد الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، جلداوّل (آزاد کشمیر: ارسلان بکس، ۲۰۰۰ء)، ص ۲۹۱

(۲۶) اصغر عباس، سرسیّد کا سفر نامہ (مسافر ان لندن)، (علی گڑھ: ایجوکیشن بک ہاؤس، ۲۰۰۹ء)، ص ۵۳
(میری کارپینٹر کا تعلق برسٹل سے تھا۔ وہاں بھی غریب لڑکیوں کی تعلیم کے لیے کام کرتیں تھیں۔ ۱۸۶۷ء سے ۱۸۷۷ء کے دوران چار مرتبہ ہندوستان کا دورہ کیا۔ انھوں نے لڑکیوں کے اسکول قائم کئے۔)

(۲۷) ایضاً، ص ۱۷۶
(سرسیّد احمد خان نے ۱۸۷۰ء میں لندن سے خط کے ذریعے لندن کالجیٹ گرلز اسکول کے طریقۂ تعلیم کے بارے میں اپنے ہم وطنوں کو مطلع کیا جس میں درسی مضامین، کورس کی مدت، سالانہ فیس، رہائشی انتظام اور اختیاری دینی تعلیم وغیرہ کی تفصیلات شامل تھیں۔)

(۲۸) ایضاً، ص ۱۷

(۲۹) شاہد حسین رزاقی، سرسیّد اور اصلاحِ معاشرہ (لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۳ء)، ص ۳۵۶، ۳۵۷

(۳۰) سیّد الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، جلد دوم (آزاد کشمیر: ارسلان بکس، ۲۰۰۰ء)، ص ۲۵۵۔۲۵۷

(۳۱) ایضاً، ص ۲۵۹

(۳۲) ثمینہ حسنین، انیسویں اور بیسویں صدی کے ہندوستانی مسلم جدیدیت پسند اور مسئلۂ زن، مشمولہ فکر و نظر، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، شمارہ ۴، (اپریل۔جون ۲۰۱۲ء)، ص ۱۰۱

(۳۳) ڈاکٹر شیخ محمد عبداللہ، مشاہدات و تاثرات، (علی گڑھ: فیمیل ایجوکیشن ایسوسی ایشن، ۱۹۶۹ء)، ص ۲۰۶
(شیخ عبداللہ (۱۸۷۴ء۔۱۹۶۵ء) ضلع پونچھ، کشمیر میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۹۱ء علی گڑھ آئے اور ایل۔ایل۔بی کی ڈگری لی۔ وکالت کے پیشے سے وابستہ رہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے عملی اقدامات کیے۔ ان کی خدمات کے صلے میں 'خان بہادر' کا خطاب دیا گیا۔)

(۳۴) ایضاً، ص ۲۰۲

(۳۵) پروفیسر خلیق احمد نظامی، سرسیّد اور علی گڑھ تحریک (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۲ء)، ص ۲۱

(۳۶) احمد ندیم قاسمی، مقالاتِ سرسید، حصہ پنجم (لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۹۰ء)، ص ۱۶

(۳۷) ایضاً، ص ۱۸۶، ۱۸۷

(۳۸) ایضاً، ص ۱۸۹

(۳۹) سیّد الطاف علی بریلوی، محولۂ بالا، ص ۱۶۴، ۱۶۵

مآخذ

(۱) احمد، خورشید، پروفیسر، نظامِ تعلیم، اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، ۱۹۹۳ء

(۲) احمد، عزیز، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی جدیدیت، مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی، لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۲۰۰۶ء

(۳) اکرام، شیخ محمد، رودِ کوثر، لاہور: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۰۰۵ء

(۴) ______، موج کوثر، ______، ۱۹۹۳ء
(۵) بریلوی، الطاف علی، سید، ایجوکیشنل کانفرنس کا کردار، کراچی: ایجوکیشنل پریس، ۱۹۸۶ء
(۶) جاوید، قاضی، سرسیّد سے اقبال تک، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۴ء
(۷) حالی، الطاف حسین، سید، حیاتِ جاوید، جلد اوّل، آزاد کشمیر: ارسلان بکس، ۲۰۰۰ء
(۸) ______، ______، جلد دوم، ______
(۹) حسین، ثریا، سرسیّد اور اُن کا عہد، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۳ء
(۱۰) رزاقی، شاہد حسین، سرسیّد اور اصلاحِ معاشرہ، لاہور: ادارۂ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۳ء
(۱۱) زبیری، محمد امین، مسلم خواتین کی تعلیم، کراچی: ادارۂ تصنیف و تالیف، ۱۹۵۶ء
(۱۲) عباس، اصغر، سرسیّد کا سفرنامہ (مسافرانِ لندن)، علی گڑھ: ایجوکیشن بک ہاؤس، ۲۰۰۹ء
(۱۳) عبداللہ، شیخ محمد، ڈاکٹر، مشاہدات و تاثرات، علی گڑھ: فیمیل ایجوکیشن ایسوسی ایشن، ۱۹۶۹ء
(۱۴) قاسمی، احمد ندیم، مقالاتِ سرسید، حصہ پنجم، لاہور: مجلسِ ترقیِ ادب، ۱۹۹۰ء
(۱۵) نظامی، خلیق احمد، پروفیسر، سرسیّد اور علی گڑھ تحریک، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۲ء

رسائل و جرائد

(۱) سہ ماہی فکر و نظر، ادارۂ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، شمارہ ۴، اپریل۔جون ۲۰۱۲ء